علمِ اصولِ فقہ کی اہمیت اور چند اہم فوائد!

مفتی عبید الرحمن
مردان

اشکال: مقلد کا اصولِ فقہ سے کیا لینا دینا ہے؟

علمِ اصول فقہ کے بارے میں ایک اشکال ایسا ہے جو آج کل ہی نہیں، بلکہ پرانے اور کافی پُرانے زمانے سے دہرایا جاتا ہے، امام ذہبیؒ اور علامہ ابن القیمؒ جیسے فضلاء روزگار نے بھی ایک خاص پس منظر میں یہ اعتراض واشکال اپنی اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے۔ وہ اشکال یہ ہے کہ ایک طرف اس علم میں اجتہاد واستنباط کے اصول وقواعد بتائے اور سکھائے جاتے ہیں، دوسری طرف چاروں مذاہب کے فقہائے کرام نئے اجتہاد واستنباط کی نہ صرف حوصلہ شکنی کرتے ہیں، بلکہ اس بات کی بھی صراحت کرتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اجتہاد کا دروازہ بند ہے اور اس کو بند ہی رکھنا ہے تو پھر اس علم کو پھیلانے، پڑھنے پڑھانے کا کیا فائدہ ہے؟ یہ تو خالص ضیاعِ وقت ہی ہے کہ جو دروازہ بند ہے اور اس نے بند ہی رہنا ہے، اس کی طرف جانے اور کھولنے کی کوشش کی جائے!

اس اعتراض کا اصولی جواب

سرسری طور پر دیکھا جائے تو یہ بات بہت بھلی اور وقیع سی معلوم ہوتی ہے، ایک تو سرسری پن کی وجہ سے اس بات کی کچھ وقعت پیدا ہوجاتی ہے اور ساتھ دوسری بات جس کی وجہ سے اس بات میں کچھ وزن پیدا ہوتا محسوس ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جن حضرات نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، ان میں سے بیشتر افراد کا جواب یا اس کا اسلوب وانداز ایسا ہے جس سے اصل اشکال کا تصفیہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کی مزید اہمیت ووقعت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات کمزور جواب کی وجہ سے اشکال واعتراض کی مزید قوت واہمیت اُجاگر ہوجاتی ہے۔

بہرحال! ہماری رائے یہ ہے کہ یہ اصل سوال ہی غلط فہمی یا مغالطہ پر مبنی ہے، اس لیے سوال یا اس میں پیش کردہ نکات کو درست تسلیم کر کے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں۔

اعتراض کے دو بنیادی مقدمات

ہمارے اس دعوی کی تفصیل یہ ہے کہ اصل سوال درج ذیل دو مقدمات پر مبنی ہے:

①: علم اصولِ فقہ میں صرف اجتہاد واستنباط کے اصول وقواعد ہی بتائے اور سکھلائے جاتے ہیں۔

②: موجودہ دور میں یا علم اصول فقہ کی تدوین کے دور میں اجتہاد واستنباط کا دروازہ ایسا مسدود ہو چکا ہے کہ جزوی یا کلی طور پر کبھی نہ کھلے گا۔

ان دو باتوں پر سوال کی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی مقدمات غلط ہیں۔

پہلے مقدمہ کی غلطی

پہلے مقدمے کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں اجتہاد واستنباط کے قواعد وضوابط کے علاوہ بھی متعدد اہم امور بتائے اور سمجھائے جاتے ہیں، مثال کے طور پر:

① - دلالاتِ نصوص کی بحث۔ یہ بحث ہماری حنفی اصول فقہ کی کتابوں کا خاصا حصہ گھیر لیتی ہے، چار تقسیمات اور بیس اقسام کے ضمن میں اس کو ذکر کیا جاتا ہے، ساتھ مختلف مبادی وقواعد وغیرہ بھی ذکر کیے جاتے ہیں، لیکن یہ مباحث کتاب وسنت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، بلکہ فقہی کتابوں کی عبارات میں بلکہ کلام عرب میں جاری ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر سچی بات تو یہ ہے کہ یہ اقسام ومباحث عربی کے ساتھ بھی مخصوص نہیں ہیں، بلکہ ہر کلام میں یہ بحث جاری ہوتی ہے اور اپنا متعلقہ فائدہ دیتی ہے۔

② - استدلال کا طریقہ، اس کے درست مناہج اور سقیم طریقے واسالیب۔ یہ ایک بہت کارآمد اور مفید بحث ہے جو اصولی کتابوں میں منتشر طور پر ذکر ہوتی ہے، لیکن اجتہاد اور اہلِ اجتہاد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

③ - شرعی احکام وخطابات کے متوجہ ہونے کی اہلیت کا معیار کیا ہے؟ اور اس میں خلل ڈالنے والے امور وعناصر کیا کیا ہیں؟ اور کس حد تک ان امور کی وجہ سے مخاطب کی اہلیت مفقود شمار ہوگی؟ یہ فقہی لحاظ سے اور فتوی کے نقطہ نظر سے ایک مفید بحث ہے، لیکن اس کی تفصیل اصولِ فقہ کی کتابوں ہی میں ذکر ہوتی ہے، فقہائے حنفیہ کو اس بحث میں گویا ''ابتکار'' و ''وابداع'' کی حیثیت حاصل ہے، ہماری کتابوں میں یہ بحث ''امورِ معترضۃ علی الاہلیۃ'' یا اس کے ہم معنی عنوان سے ذکر ہوتی ہے۔

④ - نقدِ کلام کے علمی اصول جس کو ''علم مناظرۃ'' سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ علمی اور نظری قسم

کے مسائل و مباحث میں حق بات تک رسائی کے لیے اس فن کی غیر معمولی اہمیت میں شبہ نہیں ہے، یہ بحث بھی اصالۃً اصولِ فقہ کی رہینِ منت ہے، گو بعد میں اس پر مستقل طور پر متعدد کتابیں لکھی گئیں اور ہوتے ہوتے اس کو ایک باقاعدہ فن کی شکل حاصل ہوئی۔ ہمارے فقہائے احناف کی کتابوں میں قیاس کے باب کے آخر میں ''دفع القیاس'' کے عنوان سے یہ پوری بحث ذکر کی جاتی ہے۔

دوسرے مقدمہ کی غلطی

جہاں تک دوسرا مقدمہ ہے یعنی ''موجودہ دور میں یا علمِ اصولِ فقہ کی تدوین کے دور میں اجتہاد واستنباط کا دروازہ کلی طور پر ایسا مسدود ہو چکا ہے کہ جزوی یا کلی طور پر کبھی نہ کھلے گا۔'' تو یہ مقدمہ بھی غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد واستنباط کا دروازہ یکسر مسدود نہیں ہے، بلکہ اس کے مختلف اطراف وجوانب ہیں، ان میں سے کچھ جانب تو ایسے ہیں جن کا دروازہ واقعۃً مسدود ہے، مسدود ہونے کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو، لیکن کچھ اطراف ایسے بھی ہیں کہ ان کا دروازہ مکمل طور پر بند نہیں ہے، بلکہ اس کو بند کیا بھی نہیں جا سکتا۔

بات یہ ہے کہ انفرادی طور پر قرآن کریم، سنتِ رسول ﷺ، اجماعِ امت اور شرعی قیاس سے براہِ راست شرعی احکام کے استنباط واجتہاد کا دروازہ تو (عام طور پر) بند ہے، لیکن اس کے علاوہ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو اجتہاد کے تحت آسکتی/آجاتی ہیں، لیکن ان کا دروازہ بند نہیں ہوا، مثال کے طور پر:

۱: مجتہدین کرام کی مستنبط کردہ علل کی تطبیق۔

۲: نئے پیش آمدہ مسائل کا ان ضوابط کے مطابق تخریج کرنا جو اہلِ اجتہاد متعین کر چکے ہیں۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ وغیرہ کے بقول جس طرح علت کا استنباط وتخریج اجتہاد کہلاتا ہے، یوں ہی اس کی تطبیق اور اس کی بنیاد پر کسی نئے حادثے میں حکم کا اثبات بھی کارِ اجتہاد ہی کا حصہ اور اسی کا ایک پہلو ہے، اور یہ دوسری خدمت ختم نہیں ہوئی، بلکہ قیامت تک برقرار رہے گی۔

علمِ اُصولِ فقہ کے کچھ دیگر فوائد

خیر! یہاں تک کی بات کا حاصل یہ ہوا کہ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ: ''علمِ اصولِ فقہ کا مقلد کے لیے کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' یہ بالکل بے جا اور بے معنی سا اعتراض ہے، جن دو مقدمات پر یہ اعتراض مبنی ہوسکتا ہے، وہ دونوں ہی مقدمات غلط اور خلافِ واقع ہیں، اس لیے اس فن پر یہ اعتراض بھی کھوکھلا ہے، حقیقتِ واقعہ یہی ہے کہ یہ علم مقلد کے لیے مفید اور بہت ہی کارآمد ہے۔

گزشتہ سطور میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کچھ فوائد اور بھی ہیں جو اس علم سے حاصل

ہوجاتے ہیں، ان فوائد کو یہاں کسی خاص ترتیب کے بغیر ذکر کیا جاتا ہے۔

❶-تاریخی نوعیت کا فائدہ

اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان کے مجتہدینِ کرام نے کسی بے ضابطگی سے کام لیا اور نہ ہی وہ کسی بے راہ روی کے شکار ہوئے تھے، انہوں نے شرعی دلائل ہی کی روشنی میں متعلقہ سارے احکام کا استنباط فرمایا ہے، یعنی خلف کو سلف کے کام سے روشناس کرایا ہے۔ بعض لوگ اس کو طنز کے طور پر ذکر کرتے ہیں کہ محض اتنی سی بات کے لیے فن مدون کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہی ہے کہ اس فن کا صرف یہی ایک فائدہ نہیں ہے، بلکہ دیگر غیر معمولی فوائد وثمرات بھی ہیں جن کو اس مقالہ میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے، لہٰذا ایک تو اس کو ''محض اتنی سی بات'' سے تعبیر کرنا کہاں کا انصاف ہے! دوسری بات یہ ہے کہ اس نوعیت کا تاریخی فائدہ بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے، ماضی سے قطع نظر دورِ حاضر میں ہم اس نوعیت کے تاریخی فوائد کو کس قدر اہمیت دیتے ہیں، ملکی تاریخی اور آثارِ قدیمہ کی حفاظت کے لیے کس قدر مال، وقت اور صلاحیتیں صرف کی جاتی ہیں! اصل بات یہ ہے کہ دین کی قدر نہیں ہے اور آخرت سنوارنے کا کوئی ایسا خاطر خواہ رجحان نہیں ہے، جس طرح دنیا کے کمانے اور سنوارنے کا ہے۔

❷-اصولِ ترجیح کا فائدہ

اصولِ فقہ کے ضمن میں اصولِ ترجیح بھی پائے جاتے ہیں، جن سے اختلافی امور میں راجح پہلو کا پائیدار طریقے سے تعین کیا جاسکتا ہے، قیاس واستحسان کے مباحث کی طرف مراجعت کی جائے تو آسانی کے ساتھ یہ فائدہ ہاتھ آسکتا ہے۔

❸-علمی فتنوں سے دین کے بچاؤ کا حفاظتی حصار

علمِ اصولِ فقہ کا ایک بڑا، اہم اور عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے امت کے افراد اور اجتماعیت دونوں کو علمی فتنوں اور نظریاتی حملوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے، یہ فائدہ جس قدر اہم ہے، اُسی قدر اس سے غفلت بھی عام ہے، اس لیے اس کی تھوڑی بہت وضاحت کی جاتی ہے۔

اُصولِ فقہ کے سہارے فتنوں سے حفاظت کیسے؟!

سوال یہ ہوتا ہے کہ علمِ اصولِ فقہ سے علمی فتنوں کا مقابلہ کیونکر کیا جائے؟ اصولِ فقہ کا علمی فتنوں یا نظریاتی واردات کے ساتھ کیا تعلق ہے جس سے حفاظت کو خواہ مخواہ اس علم کے فوائد میں سے گنوایا جارہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ علمی فتنہ بنتا کہاں سے ہے؟ جب کوئی شخص اصولی تقاضوں کے بَرخلاف قرآن

وسنت سے اخذ واستنباط کرتا ہے تو اس سے علمی فتنہ جنم لیتا ہے، اب اگر عملی طور پر اس علم کو رواج دیا جائے اور اس کی پابندی ضروری قرار دی جائے، لوگوں کو پابند بنایا جائے کہ وہ بہرحال اس علم کے قالب میں رہ کر ہی دین اور علمِ دین کی خدمت انجام دے دیں، تو بہت بڑے فتنوں کا اپنے آپ سدّ باب ہوسکتا ہے اور پوری اُمت مختلف نوعیت کے فتنوں سے اچھی طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ ضوابط لاگو کردیے جائیں اور ان کے مطابق عمل درآمد کو ضروری قرار دیا جائے کہ:

① - سلفِ صالحین کے اتفاق وتعامل کے خلاف کوئی موقف اپنانا ممنوع ہے۔

② - اگر کوئی شخص دین کے کسی مسئلہ میں قرآن وسنت کو پیشِ نظر رکھ کر ایسا موقف اختیار کرنا چاہتا ہے جو نیا ہو اور پہلے کسی مجتہد کے ہاں وہ موجود نہ ہو تو خواہ اس کو کوئی بھی نام دیا جائے، مآل کار یہ اجتہاد ہی ہے، لہٰذا اس اجتہاد کے لیے درکار صلاحیت واستعداد ضروری ہے، اس کے بغیر کسی کو ایسے اقدام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

③ - اجتہاد کا راستہ اختیار کرنے کے لیے علم وعمل کے لحاظ سے وہ معیار ضروری ہے جو اصولی کتابوں میں مذکور ہے، اگر کوئی شخص اس معیار پر پورا اُترتا ہے تو اس کو اجتہاد کرنے کی بھی گنجائش ہے، ورنہ تو تقلید کرنا ضروری ہے اور تقلید بھی ان چار متبوعہ مذاہب میں سے ہی کسی ایک مذہب کی ضروری ہے۔

④ - اجتہاد کا اختیار بھی صرف ان مسائل میں ہے جو اُصولی نقطۂ نظر سے ''محلِ اجتہاد'' ہوں، جو مسائلِ منصوص یا اتفاقی نوعیت کے حامل ہیں، وہاں کسی کو اجتہاد کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

⑤ - قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس ہو، یا دینی موضوعات پر تالیف وتصنیف، اس کے مختلف درجات مقرر کیے جائیں اور ہر درجہ کے لیے مناسب علمی وعملی استعداد لازم کردیا جائے۔

یہ اور ان جیسے چند اصول کو اگر لاگو کردیا جائے تو ایک تو اس اقدام کی وجہ سے فرقہ واریت کا خاتمہ ہوجائے گا، کیونکہ امت میں افتراق عموماً اسی سے پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں کوئی نیا موقف اختیار کرکے اس کی تبلیغ وتلقین شروع کرتا ہے، حالانکہ وہ نیا موقف اصولی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہوتا، اس لیے لوگ اختلاف کرنا شروع کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ بات جماعت بندی اور پھر جتھہ سازی تک پہنچ جاتی ہے، اسی طرح ان جیسے اصول کو عملی طور پر لاگو کرنے کے بعد اُمت علمی فتنوں سے اچھی طرح محفوظ ومامون رہ سکتی ہے۔

یہ تو ایک مختصر سی فہرست ہے، اگر کوئی جماعت سنجیدگی کے ساتھ اس راستہ پر چلنا چاہے اور اُمت کے سنوارنے کو اپنے ضروری مقاصد میں سے شامل کرلے تو اس موضوع پر مزید بھی غور کیا جاسکتا ہے اور اس میں مزید بہتری بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....